KARNATAKA SCHOOL EXAMINATION AND ASSESMENT BOARD
II-PUC EXAMINATION -1 MARCH 2025
URDU-(08) SCHEME OF VALUATION

ALOTTED MARKS	حصہ "الف"	QUESTION No.
		I-(الف)
1	(b) دوسو راحتی (سلطانی اشرفی)	1.
1	(a) پریم چند	2.
1	(d) کیونکہ زیورا کثر بے کار رکھا جاتا ہے	3.
1	(c) کرسی	4.
1	(a) طنز و مزاح کے ذریعے	5.
		(ب)
1	دریا	6.
1	ماشہ	7.
1	رادھا	8.
1	بھینس	9.
1	کھجور	10.
		(ج)
1	(iv) کسی مسئلے یا تنازعے میں دونوں طرف کی شمولیت ہوتی ہے۔	11.
1	(iii) سچائی کو کبھی نقصان نہیں پہنچتا۔	12.
1	(v) نیک کام کرنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں۔	13.
1	(i) کام میں کوشش شرط ہے اللہ ضرور مدد کرتا ہے۔	14.
1	(ii) اعمال کے مطابق زندگی خوشحال یا بدحال ہوتی ہے۔	15.
		(د)
1	خاکہ نگار کی پہلی ملاقات کے وقت منٹو کی "سر گذشت اسیر" نامی کتاب چھپ کر آئی تھی۔	16.
1	یہاں بات کہنے کی پوری آزادی ہے یعنی تبادلہ خیال اور فروغ روابط sharing & liking سوشیل میڈیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔	17.
1	شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا علم وادب سے تعلق بے انتہا شوق اور بے غرض محبت کی نوعیت کا ہے۔	18.
1	ادب کی دو قسمیں نثر اور نظم ہیں۔	19.
1	مولانا آزاد نے کووں کیلیے زاغ اور دریوزہ گران ہر جائی جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔	20.

	حصہ۔"ب"	II -(الف)
2	جب کھانا نہیں ملتا، یا کھانا نہیں دیا جاتا تا تھوڑا کم دیا جاتا، بازار سے کوئی چیز لاتے اور انھیں نہیں دی جاتی تو بوڑھی کاکی رونے لگتی تھی۔ اس کے آہ و زاری پر بدھ رام چیخنے لگتے تو کاکی رونے لگتی اور بچے پریشان کرتے تو بھی کاکی رونے لگتی تھی۔	21.
2	چودھری محمد حسین حکومت پنجاب کے پریس ایڈوائزر تھے۔ وہ تھے تو علامہ اقبال کے حاشیہ نشینوں میں مگر انھیں یہ زعم تھا کہ اقبال کو اقبال انہوں نے بنایا ہے۔	22.
2	فیس بک انٹرنیٹ پر سب سے بڑی اور مقبول عام یعنی پاپولر سوشیل نیٹ ورکنگ سائٹ ہے۔ اس کی شروعات 2004 میں ہارورڈ میں پڑھنے والے طالب علم مارک زوکر برگ نے کی تھی۔ انھوں نے یہ ویب سائٹ کالج میں اپنے دوستوں سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے بنائی تھی۔	23.
2	ڈاکٹر سید عابد حسین نے سچے ادب کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ "ادب، شاعر، یا ادیب کے ذہن میں سوئے ہوئے خیالات کا نام ہے جو زندگی کی چھیڑ سے جاگتے ہیں۔ زندگی کی آنچ میں تپتے ہیں اور زندگی کے سانچے میں ڈھل کر خود زندگی بن جاتے ہیں۔"	24.
2	سفر کے تعلق سے میر صاحب کی خاندانی وضع یہ تھی کہ ان کے ابا جان مرحوم تو کبھی اس محلے سے باہر نہ نکلے تھے اور دادا جان مرحوم کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کبھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے تھے۔	25.
2	غالب نے غمِ مرگ، غمِ فراق، غمِ رزق، غمِ عزت، غمِ مرگِ حقیقی امیروں کی اولاد کا بھیک مانگنا اور اپنی ناقدری جیسے غموں کا ذکر کیا ہے۔	26.
		(ب)
2	شاعر اللہ سے سیدھے راستے پر یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلانے کی دعا مانگ رہا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوا۔ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا۔	27.
2	نقشِ اسلام کے جلی ہونے کے لیے شاعر نے خدا سے یہ مانگا ہے کہ ہر مسلمان میں حسینؓ ابن علی جیسا ایمان، جذبۂ شہادت اور بہادری کی صفات ہوں۔	28.
2	عورت کو شرم و حیا، حجاب و عصمت کی کان کہا گیا ہے اور غور سے دیکھیں تو عورت ہر مرد کا ایمان ہے۔	29.
2	شاعر نوجوانوں کو گرجنے والے بادل یعنی برقِ سحاب کا جلال اور اجل بھی کانپ اٹھے ایسا شباب پیدا کرنے کے لئے کہہ رہا ہے۔	30.
2	شاعر نے ساقیا سے ایسا بادہ پلانے کی فرمائش کی ہے جس سے ہمارے دلوں میں ہندوستان کی محبت کا نشہ باقی رہے۔	31.
2	بادل، بوندیں، کاغذ کی کشتی، سوئٹر، مفلر، بستہ اور چھتری وغیرہ بارش اور سرما کی چیزیں ہیں جن کو شاعر یاد کرتا ہے۔	32.
		(ج)
2	امامِ حسینؓ کی شہادت کے بعد اہلِ بیت کی کیفیت بہت دردناک تھی۔ زینبؓ نے اپنے بھائی کی لاش کو دیکھ کر سخت صدمہ محسوس کیا اور ان کی آہ و فغاں نے ان کے غم کی شدت کو ظاہر کیا۔ یہ واقعہ اہلِ بیت کے لئے ایک ناقابل برداشت المیہ تھا جس نے انہیں بے حواس کر دیا۔	33.
2	اپنی سیرت کو بہتر بنانے کے لیے ہمیں سچائی، ایمانداری اور دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا رویہ اپنانا چاہیے۔ اس کے علاوہ، خود پر قابو رکھنا اور مثبت سوچ کو پروان چڑھانا بھی ہماری سیرت کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہو گا۔	34.
		III-(الف)

4	ٹیپو سلطان ایک روشن خیال حکمران تھے۔ وہ متعصب یا غضبناک متشدد بادشاہ قطعی نہیں تھے۔ جو لوگ ان پر متعصب ہونے یا غضبناک متشدد ہونے کا الزام لگاتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ٹیپو سلطان نے اپنی مملکت میں سب کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا ہے۔ ٹیپو سلطان نے اپنی حکومت میں ہندوؤں کو اعلیٰ منصب عطا کیے اور اُنہیں اپنے مذہب پر چلنے کی پوری آزادی دی تھی۔ مندروں اور برہمنوں کو معافیاں دیں۔ بت تراشنے کے لیے رقمیں منظور کیئیں اور ایک موقع پر مندر تعمیر کرنے کا حکم بھی دیا اور ہندوؤں کو ذمہ دار عہدوں پر مامور بھی کیا تھا۔ ایک برہمن کو کورگ کا فوج دار مقرر کیا تھا۔ ہندوؤں کو مذہبی تہواروں کے لیے امدادیں بھی دی تھی۔ کئی مندروں کو سونے چاندی کے برتن اور دوسرا ضروری سامان فراہم کیا تھا۔ ٹیپو سلطان کے دور کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے ہندوؤں کے ساتھ ساتھ ان کے مندروں اور مذہبی تہواروں کے بارے میں روادارانہ سلوک اختیار کیا اور ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں کے ساتھ نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ پیش آئے۔ 1793 میں جب کہ دشمنوں سے ٹیپو سلطان کی صلح تھی، سوامی کے ایک خط کے جواب میں، جو یاترا سے واپسی پر سوامی نے لکھا تھا، ٹیپو سلطان نے لکھا کہ "آپ جگت گرو ہیں آپ ہمیشہ ریاضت میں مشغول رہتے ہیں تاکہ ساری دینا کی فلاح ہو اور لوگ آسودہ حال رہیں۔ مہربانی فرما کر پرماتما سے ہماری فلاح کے لیے بھی دعا کیجیے۔ جہاں کہیں بھی آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو گی وہاں بارانِ رحمت کا نزول ہو گا اور وہاں فصلیں اچھی ہوں گی"۔ ٹیپو سلطان اگر متعصب یا غضبناک متشدد بادشاہ ہوتے تو ایک ہندو پروہت کو نہ تو وہ اس طرح مخاطب کرتے اور نہ پوجا پاٹ کی ایسی رسموں کو جو ان کے مذہب کے منافی تھیں پسند کرتے نہ انکی ہمت افزائی کرتے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ انہوں نے کبھی کبھی اپنی ہندو رعایا کے ساتھ بدسلوکی بھی کی، لیکن یہ مذہب کی بنا پر نہیں بلکہ نمک حرامی کی وجہ سے کی تھی۔ ان حالات میں یہ بات ناقابل یقین ہو جاتی ہے کہ ایسا حکمران جس نے روداری اور فیاضی کا مظاہراہ کیا ہو اور اس درجہ وسیع العقائد ہو اس نے ہندووں کے ساتھ مذہبی زیادتی کا ارتکاب کیا ہو۔	.35
4	وقت ہوا اور بجلی سے زیادہ دوڑنے والا ہے۔ ایسا دبے پاؤں نکلا چلا جاتا ہے کہ خبر تک نہیں ہوتی۔ صبح سو کر اٹھے روزانہ معمول کی ضرورتوں سے فراغت حاصل کی، ناشتہ کھایا پیا اور دن چڑھ آیا۔ پھر گھڑی دو گھڑی اِدھر اُدھر بیٹھے، گپ شپ اڑائی تو دس بجنے کو آئے، مدرسے جانے کو دیر ہوتی ہے، مدرس صاحب کی تاکید سے دو ایک مرتبہ بری بھلی طرح سبق پڑھا، چلو شام ہوئی، دن رخصت ہوا، گھر آئے تو پھر کھانے کی سوجھی غذا پیٹ میں گئی اور کسل پیدا ہوا۔ ذرا لیٹے تو پھر صبح موجود کام تو کچھ بھی نہ ہوا۔ لیکن آٹھ پیر یا چوبیس گھنٹے گذر گئے۔ ایک آٹھ پہر یا ایک چوبیس گھنٹے کیا ہے۔ ایسے ایسے صدہا آٹھ پہر یا ہزاروں چوبیس گھنٹے اسی طرح گزرتے جاتے ہیں۔	.36
4	فاروقی صاحب نے نوجوان نسل بالخصوص اردو زبان و ادب سے وابستہ افراد کو یہ نصیحت کی ہے کہ نوجوان نسل اردو زبان، اس کے رسم الخط اور اس کے املا کے بارے میں کسی قسم کا مدافعانہ یا شرمندگی کا رویہ نہ رکھے۔ بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر کہے کہ ہمیں اس زبان سے محبت ہے۔ ہمیں اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ نئے لوگ اردو زبان کے بارے میں یہ نہ گمان کریں کہ یہ لشکری زبان ہے، یا مسلمانوں کی زبان ہے، بلکہ یہ جانیں اور سمجھیں کہ یہ زبان برصغیر میں پیدا ہوئی اور برصغیر کے تمام باسیوں کا اس پر حق ہے، دوسری بات یہ کہ وہ اپنی زبان کو سادہ، شستہ، بامحاورہ بنائیں۔ غیر زبانوں کے الفاظ سے گریز کریں، خاص کر جب اردو زبان میں ان کے متبادل الفاظ موجود ہیں۔ تیسری بات یہ کہ ادب سے محبت اور ادب کا مطالعہ کسی فائدے یا منفعت کی غرض سے نہ کریں، بلکہ زبان اور ادب سے محبت کو اپنی رگ رگ میں پیوست کرلیں۔	.37
4	کرسی کی کئی اقسام ہیں، جیسے کہ سونے کی، لوہے کی، پلاسٹک کی اور چمڑے کی کرسی۔ ہر قسم کی کرسی کا اپنا ایک مخصوص مقام اور سوشل اسٹیٹس ہوتا ہے۔ مثلاً، سونے کی کرسی عام طور پر بااختیار لوگوں کی ہوتی ہے، جبکہ لوہے کی کرسی اکثر عام لوگوں کے استعمال میں ہوتی ہے۔ کرسیاں اپنی نوعیت کے لحاظ	.38

	سے بھی کام کی ہوتی ہیں یا آرام دہ۔ اس کے علاوہ، بعض کرسیاں جیسے کرسیٔ صدارت اور کرسیٔ وزارت میں مخصوص حیثیت ہوتی ہے، جو ان کے حامل افراد کے مقام کی عکاسی کرتی ہیں۔	
ب)		
39.	یہ جملہ پریم چند کا افسانہ "بوڑھی کاکی" سے لیا گیا ہے۔ سکھ رام کے تلک کا جشن تھا۔ انواع و اقسام کے کھانے بنائے جا رہے تھے گھی اور مصالحے کی خوشبو سے کاکی کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ اور پوریوں کا ذائقہ یاد کر کے کاکی کے دل میں گدگدی ہونے لگتی تھی اسے اس بات کا احساس بھی تھا کہ روز کی روٹیوں کے لیے جب اسے پوچھنے والا کوئی نہیں تو آج اسے کون پوچھے گا۔ کسے پکاروں آج لاڈلی بھی نہیں آئی اور نہ ہی دونوں لونڈے آئے جن سے پتہ تو چلتا کہ کیا کیا پکایا جا رہا ہے۔ بوڑھی کاکی کی کوٹھری میں کسی کے نہ آنے پر یہ سوچتی ہے۔	2
40.	یہ جملہ خاکہ "منٹو" سے لیا گیا ہے۔ جس کے خاکہ نگار شاہد احمد دہلوی ہیں اور یہ خاکہ سعادت حسین منٹو پر لکھا گیا ہے۔ ایک دفعہ احمد شاہ بخاری نے بڑے سرپرستانہ انداز میں کہا "دیکھو منٹو میں تمھیں اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں۔" منٹو نے جھلّا کر کہا۔ "مگر میں آپ کو اپنا باپ نہیں سمجھتا۔"	2
41.	یہ جملہ ابراہم جلیس کے مضمون "زیور کا چکر" سے لیا گیا ہے۔ ترکی کے مشہور ظریف ملا نصیر الدین ایک رات گہری نیند سو رہے تھے کہ چور ان کا کوٹ چرا کر لے گیا۔ صبح جب انھیں کوٹ کے چوری ہونے کا پتہ چلا تو انھوں نے سب لوگوں کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا کہ۔ "پروردگار۔ تیرا بہت بہت شکریہ کہ میں اس وقت کوٹ پہنے ہوئے نہیں تھا۔" ورنہ چور مجھے بھی چرا لے جاتے۔"	2
42.	یہ جملہ شوکت تھانوی کے ڈرامے "خدا حافظ" سے لیا گیا ہے۔ میر صاحب اپنی خاندانی جائیداد کے سلسلے میں ریل سے سفر کرنے کی پوری تیاری کر چکے تو اپنی بیگم سے وداعی ملاقات کے لیے گھر کے اندر پہنچے جہاں بیگم اپنے شوہر کو حفاظت سے سفر کے مرحلے سے گزرنے کے اقدام کے طور پر پھول کا ہار اور امام ضامن لیے بیٹھی تھی شوہر کو دیکھ کر انہوں نے یہ جملہ کہا۔	2
IV	حصہ "ج"	
43.	**(i) مثنوی گلزارِ نسیم** دیا شنکر نسیم کی مثنوی گلزارِ نسیم سے لیا گیا یہ اقتباس ایک اہم واقعے کو بیان کرتا ہے، جس میں بکاؤلی پری دارالخلافت زین الملوک میں پہنچتی ہے اور وزیر بن کر تاج الملوک کی تلاش میں رہتی ہے۔ نظم کا آغاز اس منظر سے ہوتا ہے کہ گل چیں کو بکاؤلی پری کا سراغ ملتا ہے۔ شاعر شاخ قلم کی مدد سے اس واقعے کی تصویر یوں ابھارتا ہے کہ بکاؤلی شہر میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ پری جادو کے ذریعے آدمی کی صورت اختیار کر چکی ہے اور خود کو ابنِ فیروز کے نام سے متعارف کرواتی ہے۔ بادشاہ اس کی باتوں اور فطری سادگی سے متاثر ہو کر اسے وزیر مقرر کر دیتا ہے۔ دربار میں چار شہزادوں کو دیکھ کر بکاؤلی ان کے گُل چیں ہونے کا امتحان لیتے ہوئے ایک خاص انگوٹھی کے نگینے کے متعلق گفتگو کرتی ہے ، لیکن ان کے جوابات ناقص ثابت ہوتے ہیں۔ گل چیں حقیقت میں تاج الملوک ہے۔ بکاؤلی شہزادوں کی نادانی کو بھانپ لیتی ہے اور خاموشی سے اپنی منزل کی طرف بڑھنے کے لیے منصوبے بناتی ہے۔ وہ تاج الملوک کا ذکر سن کر اندازہ لگا لیتی ہے کہ یہی اس کی تلاش کا مقصد ہے یہی گُل چیں یعنی پھول چرانے والا شخص ہے۔ چنانچہ وہ محتاط انداز میں اپنی شناخت چھپاتے ہوئے علمِ نجوم و رمل کا سہارا لیتی ہے، طالع سے مقصد معلوم کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگاتے ہوئے اور مسافروں کی مدد کرتے ہوئے نکل پڑتی ہے، تاکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو سکے۔	4

4 4	اس طرح یہ اقتباس کہانی کی اس اہم کڑی کو پیش کرتا ہے جہاں بکاؤلی پری وزیر کے روپ میں دانشمندی اور حکمت سے کام لیتی ہے اور اپنی اصل منزل یعنی تاج الملوک کی تلاش میں سرگرم رہتی ہے۔ **(ii) اے شریف انسانو** ساحر لدھیانوی کی نظم "اے شریف انسانو" امن کے لیے ایک پرجوش التجا اور جنگ کی تباہ کاریوں پر گہرا تنقیدی شعور پیش کرتی ہے۔ نظم کا آغاز انسانیت کو مخاطب کرتے ہوئے اس بنیادی حقیقت سے ہوتا ہے کہ خون اپنا ہو یا پرایا ہو، نسلِ آدم کا خون ہے آخر۔ شاعر جنگ کو مشرق و مغرب کی جغرافیائی تقسیم سے بالاتر قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی بھی خطے میں خون ابہنا در حقیقت "امنِ عالم" کی موت ہے۔ یہاں جنگ کو انسانی وجود کے لیے تباہی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس کا کوئی اخلاقی جواز نہیں۔ ساحر جنگ کے اثرات کو محض فوجی تصادم تک محدود نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ چاہے بم گھروں پر گریں یا سرحد پر نتیجہ روحِ تعمیر کے زخم کھانے اور کھیتوں کے جلنے سے معاشرتی معیشت کے بکھراؤ کی صورت میں نکلتا ہے۔ حتیٰ کہ فتح یا شکست کے جذبات بھی زندگی کو میتوں پہ روتے ہوئے دکھاتے ہیں، جو جنگ کے دائمی المیے کی عکاسی کرتا ہے۔ شاعر واضح کرتے ہیں کہ جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں، بلکہ خود ہی ایک مسئلہ ہے۔ یہ آگ اور خون کے ذریعے صرف عارضی فتح دیتی ہے، مگر کل کو بھوک اور احتیاج کی صورت میں نئے بحران جنم لیتے ہیں۔ وہ سوال اٹھاتے ہیں کیا برتری ثابت کرنے کے لیے خون بہانا یا گھر کی تاریکی مٹانے کے لیے گھر جلانا ضروری ہے؟ یہ استعارے جنگ کی غیر منطقی اور خود تخریب کاری پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ساحر جنگ کو صرف میدانِ کشت و خون تک محدود نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اصل جنگ وہ ہے جو وحشت، بربریت، مرگ آفریں سیاست، افلاس، غلامی، سرمائے کے تسلط اور جنگوں کے فلسفے کے خلاف لڑی جائے۔ وہ دانش مندی اور تخلیقی صلاحیتوں یعنی خرد کو زندگی کا حقیقی مقصد قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسانوں کو فکر کی روشنی پھیلانے اور امن کو تقویت دینے والی جدوجہد کرنی چاہیے۔ آخری بندوں میں شاعر امن کو تہذیب، ارتقا، انسان کی بقا، بہتر نظام اور پُرامن زندگی سے جوڑتے ہیں۔ وہ اسے صرف جنگ نہیں، بلکہ معاشرتی انصاف، اقتصادی مساوات، اور عوامی خوشحالی کا نام دیتے ہیں۔ نظم کا اختتام اس امید پر ہوتا ہے کہ شمعِ امن ہر گھر میں روشن رہے، جو تاریکی کے خلاف روشن خیالی کی علامت ہے۔ ساحر کی یہ نظم جنگِ سرد کے دور میں لکھی گئی، جب دنیا ایٹمی جنگ کے خدشات سے دوچار تھی۔ اس میں موجود فلسفہ آج بھی عالمی تنازعات، دہشت گردی اور معاشی استحصال کے خلاف ایک آفاقی پیغام ہے۔ شاعر کا ماننا ہے کہ جنگ صرف طاقت ور حکمرانوں کا کھیل ہے، جبکہ اس کی قیمت عام انسانوں کو اپنی جان، گھر اور مستقبل سے چکانی پڑتی ہے۔ نظم کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ انسانیت کی بقا صرف امن، تعمیر اور اجتماعی دانش کے ذریعے ممکن ہے۔ ساحر کی شاعری ہمیں یاد دلاتی ہے کہ جنگ کبھی بھی "حتمی حل" نہیں ہوتی یہ صرف نئے سوال چھوڑ جاتی ہے۔ **(iii) ترانۂ کرناٹک** یہ نظم کرناٹک ریاست کے جذبۂ حب الوطنی اور ثقافتی ورثے کی عکاس ہے۔ کرناٹک کو "ہندوستان کی بیٹی" اور "مادرِ کرناٹک" کے خطاب سے نوازا گیا ہے، جو اس کی تاریخی و تہذیبی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ نظم میں کرناٹک کو قدرتی حسن، روحانی عظمت اور علمی روایات کا مرکز بتایا گیا ہے۔ سندر دریاؤں، سرسبز جنگلوں اور پہاڑی سلسلوں کو اس کا زیور قرار دیا گیا ہے۔	

	کرناٹک کو رشیوں، فلسفیوں اور عظیم دانشوروں کی سرزمین کہا گیا ہے۔ راگھوا، مدھوسودنا، شنکرا، رلانُجا، بسویشور اور مدھوا جیسے ناموں کے ذریعے اس علمی وروحانی گھوارے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ شاعر پمپا، کمار وایاسا، نانک، رلانندا، اور کبیر جیسی ہستیوں کو کرناٹک کی فکری روایت کا حصہ بتاتا ہے، جو ہندوستان بھر میں اس کی شناخت کو مستحکم کرتی ہیں۔ دریائے کرشنا، شراوتی، تنگا، اور کاویری جیسی ندیاں کرناٹک کی زمین کو زرخیز بنانے کے ساتھ ساتھ اس کی تفریحی حیثیت کو بھی واضح کرتی ہیں۔ یہ خطہ چیتنیا، پرم ہنس اور سوامی وویکانند جیسی روحانی شخصیات کا مسکن رہا ہے۔ نظم میں ہندو، عیسائی، مسلمان، پارسی، جین برادریوں کی ہم آہنگی سے رہنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے "گلشن" قرار دیا گیا ہے۔ کنڑ ازبان کو کرناٹک کی شناخت کا اہم ستون بتایا گیا ہے۔ "کنڑ لاں کے سپوتوں" کے الفاظ میں اس خطے کی لسانی عظمت کو سراہا گیا ہے۔ مغنیوں، موسیقاروں اور شاعروں کا ذکر کرناٹک کے فنونِ لطیفہ میں گہری دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے۔ رنّا، شڈکشری، پونّا، اور لکھی پتی جیسے نام اس کے ادبی آفاق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نظم کا اختتام کرناٹک کو ہندوستان کے تاج کا ہیرا اور صندل و سونے کا خزانہ قرار دے کر اس کی جامع عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ سرزمین امن، علم اور فن کا گھوارہ ہونے کے ساتھ ساتھ تمام مذاہب و ثقافتوں کے لیے پیار و احترام کی علامت ہے۔ شاعر کا یہ ترانہ کرناٹک کی تاریخ، ثقافت، اور فطری حسن کے لیے ایک شاندار خراج تحسین ہے۔	
		.44
2	اس شعر میں شاعر ایک ناصح کی حیثیت سے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ جو لوگ اپنی قسمت کا گلہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کاش میں فلاں کام ایسے نہ کیا ہوتا تو کامیاب ہوتا یا اُس طرح کیا ہوتا تو کامیاب ہوتا۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنی قسمت کے سارے فیصلے اللہ کے حوالے کر کے بے فکر ہو جائیں۔ کیونکہ یہ گلے فضول ہیں اور یہ ساری باتیں بے کار ہیں۔ جو اللہ ہمارے لیے بہتر چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔	i
2	اس شعر میں شاعر زندگی اور موت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ دنیا کی زندگی ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہے، یہاں کام ہی کام ہے اور آرام و سکون ممکن نہیں ہے۔ دنیا سے زیادہ آرام شاید عدم میں ہے۔ اس لیے یہاں سے جو ایک بار جاتا ہے وہ وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے یہاں دوبارہ آنے کی آرزو نہیں کرتا۔	ii
2	مندرجہ بالا شعر میں فانی کہتے ہیں کہ میری ہر آرزو محرومی کی گود میں سوئی ہوئی ہے اس لئے اسے امید اگر تو خانہ دل میں آنا چاہتی ہے تو قدم اتنا آہستہ رکھنا کہ محرومی کو پتہ بھی نہ چلے کہ تو دل میں داخل ہو گئی ہے۔ تھوڑی سی بھی آہٹ تیرے آنے کی اگر محرومی کو ہو جائے تو وہ تجھے بھی اپنے آغوش میں لے لے گی۔	iii
2	مندرجہ بالا شعر میں شاعر فرماتے ہیں کہ جس طرح عبارت کو دیکھ کر مفہوم کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح انسان کا چہرہ بھی اس کی سیرت کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس لئے انسان کو ہمیشہ اپنی صورت کو ایسا بنائے رکھنا چاہئیے جس سے اس کی سیرت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ میرا محبوب چونکہ خوبصورت ہے۔ اس لئے یقیناً وہ خوب سیرت ہو گا۔	iv
2	شاعر اس شعر میں محبوب کی گفتگو کے انداز کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ جب وہ بات کرتا ہے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں تو شاعر اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے اپنے محبوب سے بات کر کے دیکھنا چاہتا ہے کہ کیا سچ میں ان کا محبوب بات کرتا ہے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں کہ نہیں۔	v

		.45
4	عدم صاحب اپنے اس قطعہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کو آپس میں جوڑنے کے طریقے کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ اچھا بولنا، یعنی بولنا ہو تو سمجھ کر بولنا اگر انسان کا معمول ہو جائے تو ٹوٹے ہوئے دل بھی آسانی سے جڑ سکتے ہیں۔ اگر انسان اپنی عقل سلیم کا تھوڑا سا استعمال بھی ہر وقت کر لے تو وہ ہر مسئلہ کا حل نکال سکتا ہے۔ گویا زندگی کو خوش حال و پُر مسرت بنا سکتا ہے۔	i
4	عزیز بگامی اپنے اس قطعہ کے ذریعے مسلمانوں کو سفر آخرت کی یاد دلاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اے مسلمان تیرے آخرت کا سفر ہی تیرا اصل سفر ہے وہی تیرا مقدر ہے۔ انسان کو بلکہ مسلمانوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ زندگی عارضی ہے، دائمی زندگی تو موت کے بعد والی زندگی ہے۔ موت کا سفر ایک ایسا سفر ہے جس کا بلاوا بن بولے آجاتا ہے۔ ساتھ میں نہ کوئی ہم سفر ہوتا ہے نہ رہبر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ساز و سامان۔ اس لیے مسلمان اپنے اس آخرت کے سفر کو پائمال نہ کر سے ہمیشہ یاد رکھے اور اس سفر کی تیاری میں لگا رہے۔	ii
	حصہ ”د“	**46. -V**
1	**کان میں بھنک پڑنا:** جیسے ہی کنگنا کی خفیہ منصوبہ بندی کے بارے میں میرے کان میں ”پڑی، تو میں حیران رہ گیا۔	i
1	**ہوا سے باتیں کرنا:** لیلیٰ اتنی تیزی سے دوڑتی ہے کہ لگتا ہے جیسے ہوا سے باتیں کر رہی ہو۔	ii
1	**تاب نہ لانا:** حادثے کی تاب نہ لا کر اس نے دم توڑ دیا۔	iii
1	**دھاک بٹھانا:** پولیس نے چوروں پر اپنی دھاک بٹھا دی ہے۔	iv
1	**حالت غیر ہونا:** سمیر کے حادثہ میں فوت ہو جانے سے اکبر کی حالت غیر ہو گئی۔	v
1	**ایڑی چوٹی کا زور لگانا:** مبینہ نے امتحان میں کامیابی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔	vi
		.47
2	**صنعتِ مبالغہ:۔** کلام میں کسی موصوف کے وصف کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرنا، جو خلافِ واقعہ ہو مبالغہ کہلاتا ہے۔ جیسے ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہا دیں شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا	i

2	**تشبیہ:-** کسی چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ جیسے میر کا یہ شعر نازکی اس کے لب کی کیا کہیے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے	ii
4	منجانب شبیر خان منڈی محلہ، میسور تاریخ 04 مارچ 2025 بخدمت مینیجر، اسٹیٹ بینک آف انڈیا، میسور محترم مینیجر، موضوع: مولانا آزاد اسکالرشپ کے لیے اکاؤنٹ نمبر اور KYC اپڈیٹ کرنے کی درخواست سلام و احترام کے ساتھ عرض ہے کہ میں شبیر خان، آپ کے بینک کی منڈی محلہ، میسور شاخ کا صارف ہوں۔ میرا اکاؤنٹ نمبر 7860000000 ہے۔ میں مولانا آزاد اسکالرشپ کے لیے درخواست دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، جس کے لیے میرے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات اور KYC (Know Your Customer) معلومات کا تازہ ترین ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا، آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ میرے اکاؤنٹ سے متعلق KYC تفصیلات کو اپڈیٹ کرنے کی مہربانی فرمائیں۔ اس سلسلے میں اگر کوئی دستاویزات (مثلاً آدھار کارڈ، پین کارڈ، یا دیگر شناخت) درکار ہوں تو براہِ کرم مجھے مطلع کریں تا کہ میں انہیں جلد از جلد جمع کرواسکوں۔ آپ کی اس سلسلے میں تعاون کی بدولت میری اسکالرشپ کی درخواست کا عمل آسان ہو جائے گا، جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔ براہِ کرم میری درخواست پر جلد عمل درآمد کی ہدایت دیں۔ شکریہ و احترام کے ساتھ، مخلص شبیر خان	48.

1	(i)تاج محل محبت کی نشانی ہے۔ The Taj Mahal is a symbol of love. ತಾಜ್ ಮಹಲ್ ಪ್ರೇಮದ ಸಂಕೇತವಾಗಿದೆ.	49
1	(ii)پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ Prevention is better than cure. ಪ್ರತಿಬಂಧಕವು ಚಿಕಿತ್ಸೆಗಿಂತ ಉತ್ತಮವಾಗಿದೆ.	
1	(iii)زندگی خوشیوں اور غموں سے بھری ہوئی ہے۔ Life is full of joys and sorrows. ಜೀವನವು ಸಂತೋಷ ಮತ್ತು ದುಃಖಗಳಿಂದ ತುಂಬಿದೆ.	
1	(iv)برنداون باغ کی تعمیر سر مرزا اسماعیل نے کی تھی۔ Brindavan Garden was built by Sir Mirza Ismail. ಬೃಂದಾವನ ಉದ್ಯಾನವನ್ನು ಸರ್ ಮಿರ್ಜಾ ಐಸ್ಮಾಯಿಲ್ ರವರ ಕಾಲವಧಿಯಲ್ಲಿ ಸ್ಥಾಪಿಸಲಾಯಿತು.	